شطرنج کی بازی

نواب واجد علیشاہ کا زمانہ تھا لکھنؤ عیش و عشرت کے رنگ مین ڈوبا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے امیر و غریب سبھی رنگ رلیان منا رہے تھے۔ کہین نشاط کی محفلین آراستہ تھین۔ تو کوئی افیون کی پینک کے مزے لیتا تھا۔ زندگی کے ہر ایک شعبہ مین رندی و مستی کا زور تھا۔ امور سیاست مین، شعر و سخن مین، طرز معاشرت مین، حرفت و صنعت مین، تجارت و تبادلہ مین، سبھی جگہ نفس پرستی کی دہائی تھی۔ اراکین سلطنت مے خواری کے غلام ہو رہے تھے، شعرا بوسہ و کنار مین مست، اہل حرفہ کلابتو اور چکن بنانے مین، اہل سیف تیر بازی مین، اہل روزگار سرمہ و مسی، عطر و تیل کی خرید و فروخت مین غرض سارا ملک نفس پروری کی بیڑیون مین جکڑا ہوا تھا سبھی کی آنکھون مین ساغر و جام کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ دنیا مین کیا ہو رہا ہے۔ علم و حکمت کن کن ایجادون مین مصروف ہے، بحر و بر پر مغربی اقوام کس طرح حاوی ہوتی جاتی ہے۔ اسکی کسیکو خبر نہ تھی۔ بٹیر لڑ رہے ہین۔ تیترون مین پالیان ہو رہی ہین۔ کہین چوسر ہو رہی ہے پو بارہ کا شور مچا ہوا ہے کہین شطرنج کے معرکے چھڑے ہوئے ہین۔ فوجین زیر و زبر ہو رہی ہین۔ نواب کا حال اس سے بھی بدتر تھا وہان گتون اور تالون کی ایجاد ہوتی تھی حظ نفس کے نئے نئے لٹکے، نئے نئے نسخے سوچے جاتے تھے۔ یہانتک کہ فقرا خیرات کے پیسے پاتے تو روٹیان خریدنے کی بجائے مدک اور چانڈو کے مزے لیتے تھے۔ رئیس زادے حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ارباب نشاط سے تلمذ کرتے تھے، فکر کو جولان عقل کو رسا اور ذہن کو تیز کرنے کے لیے شطرنج کیمیا سمجھا جاتا تھا۔ اب بھی اس قوم کے لوگ کہین کہین موجود ہین جو اس دلیل کو بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہین۔ اس لیے اگر

مرزا سجاد علی اور میر روشن علی اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عقل کو تیز کرنے مین صرف کیا کرتے تھے تو کسی ذی فہم کو اعتراض کرنے کا کوئی موقعہ نہ تھا ہان جبلا انھین جو چاہین سمجھین، دونون صاحبون کے پاس موروثی جاگیرین تھین۔ فکر معاش سے آزاد تھے، آخر اور کرتے ہی کیا، طلوع سحر ہوتے ہی دونون صاحب ناشتہ کرکے بساط پر بیٹھ جاتے۔ مہرے بچھا لیتے اور عقل کو تیز کرنا شروع کر دیتے پھر انھین خبر نہ ہوتی تھی کہ کب دوپہر ہوا۔ کب سہ پہر کب شام، گھر مین سے بار بار آدمی آکر کہتا تھا کھانا تیار ہے۔ یہان سے جواب ملتا تھا چلو آتے ہین دسترخوان بچھاؤ۔ مگر شطرنج کے سامنے قورمے اور پلاؤ کے مزے بھی پھیکے تھے۔ یہانتک کہ باورچی مجبور ہوکر کھانا کمرے ہی مین رکھ جاتا تھا اور دونون دوست دونون کام ساتھ ساتھ کرکے اپنی باریک نظری کا ثبوت دیتے تھے۔ کبھی کبھی کھانا رکھا ہی رہ جاتا اسکی یاد ہی نہ آتی تھی۔ مرزا سجاد علی کے مکان مین کوئی بڑا بوڑھا نہ تھا اسلیے انھین کے دیوان خانے مین معرکہ آرائیان ہوتی تھین مگر اسکے یہ معنی نہین ہین کہ مرزا کے گھر کے اور لوگ اس مشغلہ سے خوش تھے، ہرگز نہین محلہ مین گھر کے نوکر چاکر دن مین۔ مہرون، ماماؤن مین برابر حاسدانہ حرف گیریان ہوتی رہتی تھین۔ بڑا منحوس کھیل ہے گھر کو تباہ کرکے چھوڑتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کسیکو اسکی چاٹ پڑے، آدمی نہ دین کے کام کا رہتا ہے نہ دنیا کے کام کا۔ بس اُسے دھوبی کا کتا سمجھو۔ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ بُرا مرض ہے۔ ستم یہ تھا کہ بیگم صاحب بھی آئے دن اس مشغلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی رہتی تھین۔ حالانکہ انھین اُسکے موقعے مشکل سے ملتے۔ وہ سوتی ہی رہتی تھین کہ ادھر بازی جم جاتی تھی۔ رات کو سو جاتی تھین تب کہین مرزا جی گھر مین آتے تھے۔ ہان جولاہے کا غصہ ڈاڑھی پر اُتارا کرتی تھین۔ نوکرون کو جھڑکیان دیا کرتین۔ کیا میان نے پان مانگے ہین؟ کہدو آکر بنا جائین، کیا پاؤن مین مہندی لگی ہوئی ہے۔ کیا کہا بھی کھانے کی فرصت نہین ہے؟ کھانا لیجاکر سر پر پٹک دو۔ کھائین یا کتون کو کھلائین یہان اُن کے انتظار مین کون بیٹھا رہے گا۔ مگر لطف یہ تھا کہ انھین اپنے میان سے اتنی شکایت نہ تھی جتنی میر صاحب سے۔ وہ میر صاحب کو نکھٹو۔ بگاڑو، ٹکڑے خور وغیرہ نامون سے یاد کیا کرتی تھین، شاید مرزا جی بھی اپنے بریت کے اظہار مین سارا الزام میر صاحب ہی کے سر

ڈال دیتے تھے۔

ایک دن بیگم صاحبہ کے سر مین درد ہونے لگا تو ماما سے کہا جا کر مرزا جی کو بلا لا۔ کسی حکیم کے یہان سے دوا لاوین۔ دوڑ جلدی کر، سر پھٹا جاتا ہے۔ ماما گئی تو مرزا جی نے کہا چل ابھی آتے ہین۔ بیگم صاحبہ کو اتنی تاب کہان کہ ان کے سر مین درد ہو اور میان شطرنج کھیلنے مین مصروف ہون۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور ماما سے کہا کہ جا کر کہہ کہ ابھی چلئے ورنہ وہ خود حکیم صاحب کے یہان چلی جائینگی۔ کچھ ان کے آنکھون راستہ نہین دیکھا ہے۔ مرزا جی بڑی دلچسپ بازی کھیل رہے تھے۔ دو ہی کشتون مین میر صاحب کی مات ہوئی جاتی تھی۔ بولے کیا ایسا دم لبون پر ہے۔ ذرا صبر نہین آتا۔ حکیم صاحب کوئی چھو منتر کر دینگے کہ ان کے آتے ہی آتے درد سر رفع ہو جائے گا۔

میر صاحب نے فرمایا۔ ارے تو جا کر ذرا سن ہی آئیے نہ! عورتین نازک مزاج ہوتی ہی ہین۔

مرزا۔ جی ہان کیون نہ چلا جاؤن۔ دو کشتون مین آپ کی مات ہوتی ہے۔

میر۔ جی اس بھروسے نہ رہئے گا۔ وہ چال سوچی ہے کہ آپ کے مہرے دھرے رہین۔ اور مات ہو جائے۔ پر جائیے سن آئیے۔ کیون خواہ مخواہ ذرا سی بات کے لیے ان کا دل دکھائے گا۔

مرزا۔ جی چاہتا ہے اسی بات پہ مات کر دون۔

میر۔ مین کھیلونگا ہی نہین۔ آپ پہلے جا کر سن آئین۔

مرزا۔ ارے یار جانا پڑیگا حکیم کے یہان۔ درد ورد خاک نہین ہے۔ مجھے دق کرنے کا حیلہ ہے۔

میر۔ کچھ بھی ہو ان کی خاطر تو کرنی ہی پڑے گی۔

مرزا۔ اچھا ایک چال اور چل لون۔

میر۔ ہرگز نہین۔ جبتک آپ سن نہ آئینگے۔ مین مہرون کو ہاتھ نہ لگاؤن گا۔

مرزا صاحب مجبور ہو کر اندر گئے تو بیگم صاحب نے کراہتے ہوئے کہا تمہین نگوڑا شطرنج اتنا پیارا ہے کہ چاہے کوئی مر بھی جائے پر اٹھنے کا نام نہین لیتے۔ شطرنج ہے کہ میری

سوکن ہے۔ نوج کوئی تم جیسا نہ موہنیا ہو۔

مرزا - کیا کرون، میر صاحب مانتے ہی نہ تھے۔ بڑی مشکلون سے گلا چھڑا کر آیا ہون۔

بیگم - کیا جیسے خود نکھٹو ہین ویسے ہی دوسرون کو سمجھتے ہین، اُن کے بھی تو بال بچے ہین کہ سب کا صفایا کر دیا۔

مرزا - بڑا لتی آدمی ہے جب آکر سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ تو مجبور ہو کر مجھے بھی کھیلنا ہی پڑتا ہے۔

بیگم - دُتکار کیون نہین دیتے کتے کی طرح۔

مرزا سبحان اللہ برابر کے آدمی ہین۔ عمر مین رتبہ مین مجھ سے دو انگل اونچے۔ ملاحظہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

بیگم تو مین ہی دُتکارے دیتی ہون ناراض ہو جائینگے ہو جائین، کون میری روٹیان چلاتے ہین۔ رانی روٹھین گی اپنا سہاگ لین گی۔ (ماما سے) عباسی جا شطرنج اُٹھا لا میر صاحب سے کہدینا میان اب نہ کھیلین گے۔ آپ تشریف لیجائین۔ اب پھر مُنھ نہ دکھائے گا۔

مرزا - ہان ہان کہین ایسا غضب نہ کرنا۔ کیا ذلیل کراؤ گی کیا۔ ٹھہر عباسی، کمبخت کہان دوڑی جاتی ہے۔

بیگم - جانے کیون نہین دیتے۔ میرا ہی خون پیئے جو روکے، اچھا اُسے روک لیا مجھے روک لو تو جانون یہ کہکر بیگم صاحبہ جھنجلاتی ہوئی دیوان خانہ کی طرف چلین۔ مرزا جی کا چہرہ فق ہو گیا ہوائیان اُڑنے لگین۔ بیوی کی منتین کرنے لگے، خدا کے لیئے تمھین شہید کربلا کی قسم میری ہی میت دیکھے جو ادھر قدم رکھے۔ لیکن بیگم صاحبہ نے ایک نہ مانی دیوانخانہ کے دروازہ تک گئین پر یکایک نامحرم کے روبرو بے نقاب جاتے ہوے پیر رک سے گئے وہین سے اندر کی طرف جھانکا۔ حسن اتفاق سے کمرہ خالی تھا۔ میر صاحب نے حسب ضرورت دو چار مہرے تبدیل کر دیئے تھے اور اُس وقت اپنی صفائی جتانے کے لیے باہر چبوترہ پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ پھر کیا تھا۔ بیگم صاحبہ کو منھ مانگی مراد ملی، اندر پہنچکر بازی الٹ دی

مہرے کچھ تخت کے نیچے پھینکے کچھ باہر تب دروازہ اندر سے بند کرکے کنڈی لگادی میر صاحب دروازے پر تو تھے ہی۔ مہرے باہر پھینکے جاتے دیکھے۔ پھر چوڑیون کی جھنکار سنی تو سمجھ گئے بیگم صاحبہ بگڑ گئین۔ چپکے سے گھر کی راہ لی۔

مرزا نے بیگم صاحبہ سے کہا، تمنے غضب کردیا۔

بیگم۔ اب مُوا ادھر آئے تو کھڑے کھڑے نکالدون۔ گھر نہین چکلا سمجھ لیا ہے۔ اتنی لو اگر خدا سے لگاتے تو ولی ہو جاتے۔ آپ لوگ تو شطرنج کھیلین میں یہان چولھے چکی کی فکر مین سر کھپاؤن لونڈی سمجھ رکھا ہے۔ جاتے ہو حکیم صاحب کے یہان کہ اب بھی تامل ہے۔

مرزا جی گھر سے نکلے تو حکیم صاحب کے یہان کے بدلے میر صاحب کے گھر پہونچے اور معذرت آمیز لہجہ مین، بادل پُر درد سارا ماجرا کہہ سنایا۔

میر صاحب ہنسکر بولے، اتنا تو مین اسی وقت سمجھ گیا تھا جب دردسر کا پیغام ماما لائی تھی کہ آج آثار اچھے نہین ہین مگر بڑی غصہ ور معلوم ہوتی ہین۔ اُف! اتنی تمکنت! آپنے اُنھین بہت سرچڑھا رکھا ہے۔ یہ مناسب نہین۔ انھین اس سے کیا مطلب کہ آپ باہر کیا کرتے ہین، خانہ داری کا انتظام کرنا انکا کام ہے، مردو کی باتون مین دخل دینے کا انھین کیا مجاز! میرے یہان دیکھیے، کبھی کوئی چون بھی نہین کرتا۔

مرزا۔ خیر یہ تو بتائیے اب کہان جماؤ ہوگا۔

میر۔ اب کیا غم ہے، اتنا بڑا گھر پڑا ہوا ہے۔ بس یہین جمیگی۔

مرزا۔ لیکن بیگم صاحبہ کو کیسے مناؤن گا۔ جب گھر پر بیٹھا رہتا تھا تب تو اتنی خفگی تھی۔ گھر سے چلا آؤن گا تو شاید زندہ نہ چھوڑین۔

میر۔ اجی بکنے دیجئے دو چار دن مین خود بخود سیدھی ہو جائینگی۔ ہان آپ بھی ذرا تن جائیے۔

—۲—

میر صاحب کی بیگم صاحبہ کسی وجہ سے میر صاحب کے گھر سے غائب رہنا ہی پسند کرتی تھین اسلیے وہ اُن کے مشغلہ تفریح کا مطلق گلہ نہ کرتی تھین۔ بلکہ کبھی کبھی

اٹھین جانے مین دیر ہوجاتی، بارہا ایسا ہوتے تو سرود بہ مستان یاد دانیدن کے مصداق اٹھین
آگاہ کر دیا کرتی تھین ان وجوہ سے میر صاحب کو گمان ہو گیا تھا کہ میری بیگم صاحبہ
نہایت خلیق، متحمل مزاج اور عفت کیش ہین، لیکن جب ان کے دیوان خانے مین بساط
بچھنے لگی، اور میر صاحب کی دائمی موجودگی سے بیگم صاحب کی آزادی مین ہرج واقع ہونے
لگا تو انھین بڑی تشویش دامنگیر ہوئی۔ دن کے دن دروازہ پر جھانکنے کو بھی ترس جاتی تھین
سوچنے لگین کیونکر یہ بلا سر سے ٹلے؟

ادھر نوکرون مین بھی کانا پھوسی ہونے لگی، اب تک دن بھر پڑے پڑے خراٹے لیتے
تھے گھر مین کوئی آئے کوئی جائے ان سے مطلب تھا نہ سروکار۔ مشکل سے دو چار دفعہ بازار
جانا پڑتا اب آٹھون پہر کی دھونس ہو گئی، کبھی پان لگانے کا حکم ہوا۔ کبھی پانی لانے کا
کبھی برف لانے کا کبھی تمباکو بھرنے کا حقہ تو کسی دلجلے عاشق کی طرح ہر دم گرم رہتا تھا۔
سب جا جا کر بیگم صاحبہ سے کہتے حضور میان کا شطرنج تو ہمارے جی کا جنجال ہو گیا۔
دن بھر دوڑتے دوڑتے پیرون مین چھالے پڑے جاتے ہین۔ یہ بھی کوئی کھیل ہے کہ صبح کو بیٹھے تو
شام کر دی۔ گھڑی دو گھڑی کھیل لیا چلو چھٹی ہوئی اور پھر حضور تو جانتی ہین کہ کتنا منحوس کھیل ہے
جسے اسکی چاٹ پڑ جاتی ہے کبھی نہین پنپتا۔ گھر پر کوئی نہ کوئی آفت ضرور آتی ہے یہانتک
کہ ایک کے پیچھے محلے کے محلے تباہ ہوتے دیکھے گئے ہین۔ محلہ والے ہر دم ہمین لوگون کو ٹوکا
کرتے ہین شرم سے گڑ جانا پڑتا ہے۔ بیگم صاحبہ کہتین مجھے تو یہ کھیل خود ایک آنکھ نہین
بھاتا۔ پر کرون کیا؟ میرا کیا بس ہے؟

محلہ مین جو دو چار بڑے بوڑھے آدمی تھے وہ طرح طرح کی بدگمانیان کرنے لگے۔ اب خیریت
نہین ہے۔ جب ہمارے رئیسون کا یہ حال ہے تو ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ یہ سلطنت شطرنج
کے ہاتھون تباہ ہوگی۔ لچھن برے ہین۔

ملک مین واویلا مچا ہوا تھا۔ رعایا دن دہاڑے لٹتی تھی پر کوئی اسکی فریاد سننے والا نہ
تھا۔ دیہاتون کی ساری دولت لکھنؤ مین کھنچی چلی آتی تھی، اور یہان سامان عیش کے بہم پہنچانے
مین صرف ہو جاتی تھی۔ بھانڈ۔ نقال۔ کتھک، ارباب نشاط کی گرم بازاری تھی۔ ساقیون کی دکانون

پر اشرفیاں برستی تھیں۔ رئیس زادے ایک ایک دم کی ایک ایک اشرفی پھینک دیتے تھے۔ مصارف کا یہ حال اور انگریزی کمپنی کا قرضہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اسکی ادائیگی کی کسی کو فکر نہ تھی یہانتک کہ سالانہ خراج بھی نہ ادا ہو سکتا تھا۔ رزیڈنٹ بار بار تاکیدی خطوط لکھتا۔ دھمکیاں دیتا۔ مگر یہاں لوگون پر نفسی پروری کا نشہ سوار تھا۔ کسی کے کانون پر جون نہ رینگتی تھی۔

خیر میر صاحب کے دیوانخانے مین شطرنج ہوتے کئی مہینے گذر گئے نت نئے نقشے حل کئے جاتے نئے نئے قلعے تعمیر ہوتے اور مسمار کئے جاتے کبھی کبھی کھیلتے کھیلتے آپس مین جھڑپ ہوجاتی تو تو مین مین کی نوبت پہنچ جاتی پر یہ شکر رنجیان بہت جلد رفع ہوجاتی تھین کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مرزا جی روٹھکر اپنے گھر چلے جاتے میر صاحب بساط اُٹھاکر اپنے گھر مین آ بیٹھتے اور قسمین کھاتے کہ اب کبھی شطرنج کے نزدیک نہ جائینگے مگر صبح ہوتے ہی دونون دوست پھر مل بیٹھتے۔ نیند ساری بدمزگیون کو دور کر دیتی تھی۔

ایک دن دونون احباب بیٹھے شطرنج کے دلدل مین غوطے کھا رہے تھے کہ شاہی رسالہ کا ایک سوار وردی پہنے اسلحہ سے لیس میر صاحب کا نام پوچھتا آپہونچا۔ میر صاحب کے ہوش اوڑے اوسان خطا ہو گئے خدا جانے کیا بلا سر پر آئی۔ گھر کے دروازے بند کر لیے اور نوکرون سے کہا کہدو گھر مین نہین ہین،

سوار نے پوچھا، گھر مین نہین ہین تو کہان ہین، کہین چھپے بیٹھے ہونگے!

خدمتگار۔ یہ مین نہین جانتا۔ گھر مین سے یہی جواب ملا ہے۔ کیا کام ہے؟

سوار "کام تجھے کیا بتاؤن حضور مین طلبی ہے۔ شاید فوج کے لیے کچھ سپاہی مانگے گئے ہین۔ جاگیردار ہین کہ مذاق ہے۔

خدمتگار۔ اچھا تو تشریف لیجائیے۔ کہدیا جائے گا۔

سوار "کہنے سننے کی بات نہین ہے۔ مین کل فوراً آؤن گا، اور تلاش کر کے لیجاؤن گا۔ اپنے ہمراہ حاضر کرنے کا حکم ہوا ہے۔

سوار تو چلا گیا۔ میر صاحب کی روح فنا ہو گئی۔ کانپتے ہوئے مرزا جی سے بولے، اب کیا ہوگا؟

مرزا "بڑی مصیبت ہے کہین میری طبلی بھی نہو"

میر "کمبخت کل پھر آنے کو کہہ گیا ہے۔

مرزا "قہر آسمانی ہے اور کیا۔ کہین سپاہیون کی مانگ ہوئی تو بن موت مرے، یہان تو جنگ کا نام سنتے ہی تپ چڑھ آتی ہے۔

میر "یہان تو آج سے دانہ پانی حرام سمجھئے۔

مرزا "بس یہی تدبیر ہے کہ اُس سے ملے ہی نہین، دونون آدمی غائب ہوجائین سارا شہر چھانتا پھرے۔ کل سے گومتی پار کسی ویرانے مین نقشہ جمے۔ وہان کسے خبر ہوگی حضرت آکر اپنا سا منھ لیکر لوٹ جائین گے۔

میر "بس بس آپ کو خوب سوجھی۔ واللہ کل سے گومتی پار کی ٹھہرے"

ادھر بیگم صاحبہ سوار سے کہہ رہی تھین تمنے خوب بہروپ بھرا"

اُسنے جواب دیا۔ ایسے گاؤدیون کو تو چٹکیون پر نچاتا ہون۔ اسکی ساری عقل اور ہمت تو شطرنج نے چرلی، اب دیکھ لینا جو کبھی بھولکر بھی گھر رہے، صبح کا گیا پھر رات کو آئیگا۔

(۵)

اُس دن سے دونون دوست منھ اندھیرے گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور بغل مین ایک چھوٹی سی دری دبائے ڈبے مین گلوریان بھرے، گومتی پار ایک پرانی ویران مسجد مین جا بیٹھتے جو شاید عہد مغلیہ کی یادگار تھی۔ راستہ مین چلم تمباکو مدریالے لیتے، اور مسجد مین پہونچے۔ دری بچھی۔ حقہ بھر کر بساط پر جا بیٹھتے۔ پھر انھین دین و دنیا کی فکر نہ رہتی تھی۔ "کشت" شہ پیٹ لیا" ان الفاظ کے سوا ان کے منھ سے اور کوئی کلمہ نہ نکلتا۔ کوئی چلہ کش بھی اتنے استغراق کی حالت مین نہ بیٹھتا ہوگا دوپہر کو جب بھوک معلوم ہوتی تو دونون حضرت اگلیون مین ہوتے ہوئے کسی نانبائی کی دوکان پر کھانا کھا لیتے، اور ایک چلم حقہ پی کر پھر محو شطرنج بازی کبھی کبھی تو انھین کھانے کی سدھ بھی نہ رہتی تھی۔

ادھر ملک مین سیاسی پیچیدگیان روز بروز پیچیدہ تر ہوتی جاتی تھین کمپنی کی فوجین لکھنو کی طرف بڑھی چلی آتی تھین شہر مین ہلچل مچا ہوا تھا۔ لوگ اپنے اپنے بال بچون کو لیکر دیہاتون

مین بھاگے جارہے تھے۔ پر ہمارے دونون شطرنج بازدوستون کو غم وزد اور غم کالاسے کوئی واسطہ نہ تھا وہ گھر سے چلتے تو گلیون مین ہوجاتے کہ کہین کسی کی نگاہ نہ پڑجائے۔ محلے والون کو بھی ان کی صورت نہ دکھائی دیتی تھی، یہانتک کہ انگریزی فوجین لکھنو کے قریب پہنچ گئین۔

ایک دن دونون احباب بیٹھے بازی کھیل رہے تھے، میر صاحب کی بازی کچھ کمزور تھی مرزا صاحب انھین کشت پر کشت دے رہے تھے کہ دفعتاً کمپنی کی فوج سامنے کی سڑک پر سے آتی ہوئی دکھائی دی، کمپنی نے لکھنو پر تصرف کرنیکا فیصلہ کرلیا تھا، قرض کی علت مین سلطنت ہضم کرلینا چاہتی تھی وہی مہاجنی چال تھی، جس سے آج ساری کمزور قومین پابہ زنجیر ہورہی ہین۔

میر صاحب:" انگریزی فوجین آرہی ہین۔

مرزا:" آنے دیجئے، کشت بچایئے۔ یہ کشت "

میر۔ ذرا دیکھنا چاہیے، آڑ سے دیکھین، کیسے قوی ہیکل جوان ہین۔ دیکھکر سینہ تھراتا ہے۔

مرزا۔ دیکھ لیجئے گا، کیا جلدی ہے۔ پھر کشت۔

میر توپ خانہ بھی ہے، کوئی پانچہزار آدمی ہونگے، سُرخ چہرہ جیسے لال بندر۔

مرزا۔ جناب حیلے نہ کیجیے یہ کشت،

میر۔ آپ بھی عجیب آدمی ہین، خیال تو کیجیے شہر کا محاصرہ ہوگیا تو گھر کیسے چلین گے۔

مرزا۔ جب گھر چلنے کا وقت آئے گا تو دیکھی جائیگی۔ یہ کشت اور مات،

فوج نکلگئی یارون نے دوسری بازی بچھادی۔ مرزا جی بولے آج کھانے کی کیسی رہیگی؟

میر۔ آج روزہ ہے کیا آپ کو زیادہ بھوک لگی ہے۔

مرزا۔ جی نہین، شہر مین نہ معلوم کیا ہورہا ہوگا؟

میر۔ شہر مین کچھ نہ ہورہا ہوگا۔ لوگ کھانے سے فارغ ہوکر آرام کررہے ہونگے، حضور جہانپناہ بھی استراحت فرماتے ہونگے، یا شاید ساغر کا دور چل رہا ہو۔

ابکی دونون دوست کھیلنے بیٹھے تو تین بج گئے، ابکی مرزا جی کی بازی کمزور تھی، اس اثنا مین

فوج کی واپسی کی آہٹ ملی، نواب واجد علیشاہ معزول کر دیئے گئے تھے اور فوج انگریز گرفتار کئے لیے جاتی تھی، شہر میں کوئی ہنگامہ نہوا، نہ کشت وخون ہوا تک کہ کسی جانباز نے ایک قطرہ خون بھی نہ بہایا، نواب گھر سے اسطرح رخصت ہوئے جیسے لڑکی روتی پیٹتی سسرال جاتی ہے، بیگمیں روئیں، نواب روئے، مامائیں مغلانیاں روئیں اور بس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا ازل سے کسی ملک میں کسی بادشاہ کی معزولی اتنی صلح آمیز اتنی بے ضرر نہوئی ہوگی۔ کم از کم تاریخ میں اسکی نظیر نہیں، یہ وہ اہنسا نہ تھی جسپر ملائک خوش ہوتے ہیں، یہ وہ پست ہمتی، وہ نامردی تھی جسپر دیویاں روتی ہیں، لکھنؤ کا فرمانروا قیدی بنا چلا جاتا تھا، اور لکھنؤ عیش کی نیند میں مست تھا۔ یہ سیاسی زوال کی انتہائی حد تھی۔

مرزا نے کہا۔ حضور عالی کو ظالموں نے قید کر لیا ہے۔

میر۔ ہوگا۔ آپ کوئی قاضی ہیں۔ یہ لیجے شہ۔

مرزا۔ حضرت ذرا ٹھہریے، اسوقت بازی کی طرف طبیعت نہیں مائل ہوتی۔ حضور عالی خون کے آنسو روتے جاتے ہونگے، لکھنؤ کا چراغ آج گل ہوگیا"

میر۔ رویا ہی چاہیں، یہ عیش قید فرنگ میں کہاں میسر۔ یہ شہ!

مرزا۔ کسی کے دن ہمیشہ برابر نہیں جاتے۔ کتنی سخت مصیبت ہے، بلائے آسمانی۔

میر۔ ہاں ہے ہی، پھر کشت۔ بس دوسری کشت میں مات ہے، ان بچ نہیں سکتے۔

مرزا۔ آپ بڑے بے درد ہیں واللہ ایسا حادثہ جانکاہ دیکھکر آپ کو صدمہ نہیں ہوتا۔ ہائے حضور جانعالم اب کمال کا کوئی قدردان نرہا۔ لکھنؤ بھی ویران ہوگیا۔

میر۔ پہلے اپنے بادشاہ کی جان بچائیے پھر حضور پرنور کا ماتم کیجیے گا۔ یہ کشت اور مات، لانا ہاتھ

نواب کو لیے ہوئے فوج سامنے سے نکل گئی، ان کے جاتے ہی مرزا جی نے نئی بازی بچھادی ہار کی چوٹ بُری ہوتی ہے، میر صاحب نے کہا آئیے نواب صاحب کی حالت زار پر ایک مرثیہ کہہ ڈالیں، لیکن مرزا جی کی وفاداری اور اطاعت شعاری اپنی ہار کے ساتھ غائب ہوگئی تھی، وہ شکست کا انتقام لینے کے لیے بے صبر ہو رہے تھے،

— ۴ —

شام ہوگئی مسجد کے کھنڈر مین چمگادڑون نے اذان دینا شروع کیا، ابابیلین اپنے اپنے گھونسلون سے چمٹ کر نماز مغرب ادا کرنے لگین، پر دونون کھلاڑی بازی پر ڈٹے ہوئے تھے گویا دو خون کے پیاسے سورما موت کی بازی کھیل رہے ہون۔ مرزاجی متواتر تین بازیان ہار چکے تھے اور اس چوتھی بازی کا رنگ بھی اچھا نہ تھا وہ بار بار جیتنے کا مستقل ارادہ کرکے خوب سنبھل سنبھل کر، طبیعت پر خوب زور دے دیکر کھیلتے تھے لیکن ایک نہ ایک چال ایسی خراب پڑجاتی تھی کہ ساری بازی بگڑجاتی، ادہر میر صاحب غزلین پڑھتے تھے ٹھمریان گاتے تھے چٹکیان لیتے تھے، آوازے کستے تھے ضلع اور جگت مین کمال دکھاتے تھے۔ ایسے خوش تھے گویا کوئی دفینہ ہاتھ آگیا ہے، مرزا صاحب ان کی یہ خوش فعلیان سن سن کر جھنجھلاتے تھے اور بار بار تیوری چڑھا کر کہتے آپ چال نہ تبدیل کیا کیجئے، یہ کیا کہ چال چلے اور فوراً بدل دی جو کچھ کرنا ہو ایکبار خوب غور کرکے کیجئے۔ جناب آپ مہرے پر انگلی کیون رکھے رہتے ہین مہرے کو بے لاگ چھوڑ دیا کیجئے، جبتک دل مین چال کا فیصلہ نہ ہو جائے مہرہ کو ہاتھ نہ لگایا کیجئے، حضرت آپ ایک ایک چال آدھ آدھ گھنٹے مین کیون چلتے ہین۔ اسکی سند نہین جسکا ایک چال مین پانچ منٹ سے زیادہ لگین اسکی مات سمجھی جائے، پھر آپ نے چال بدلی؟ مہرہ وہین رکھدیجئے۔

میر صاحب کا فرزی پٹا جاتا تھا، بولے مین نے چال چلی کب تھی؟

مرزا - آپ کی چال ہو چکی ہے۔ خیریت اسی مین ہے کہ مہرہ اسی گھر مین رکھدیجئے،

میر - اس گھر مین کیون رکھون؟ مین نے مہرے کو ہاتھ سے چھوڑا کب تھا؟

مرزا - آپ قیامت تک مہرے کو نہ چھوڑین تو کیا چال ہی نہوگی۔ فرزی پٹتے دیکھا تو دھاندلی کرنے لگے۔

میر - دھاندلی آپ کرتے ہین ہار جیت تقدیر سے ہوتی ہے، دھاندلی کرنے سے کوئی نہین جیتا۔

مرزا - یہ بازی آپ کی مات ہوگئی۔

میر - میری مات کیون ہونے لگی؟

مرزا - تو آپ بہ شد اُسی گھر مین رکھ دیجے جہان پہلے رکھا تھا -

میر - وہان کیون رکھون؟ نہین رکھتا -

مرزا - آپ کو رکھنا پڑیگا -

میر - ہرگز نہین -

مرزا - رکھین گے تو آپ کے فرشتے - آپکی حقیقت ہی کیا ہے -

بات بڑھ گئی - دونون اپنی ٹیک کے دھنی تھے، نہ یہ دبتا تھا نہ وہ - تکرار مین لامحالہ غیر متعلق باتین ہونے لگتی ہین جنکا منشا ذلیل اور خفیف کرنا ہوتا ہے، مرزا جی نے فرمایا، اگر خاندان مین کسی نے شطرنج کھیلا ہوتا تو آپ آئین اور قاعدے سے واقف ہوتے، وہ تو ہمیشہ گھانس چھیلا کئے آپ کیا کھا کر شطرنج کھیلئے گا - ریاست شے دیگر ہے، جاگیر ملجانے سے کوئی رئیس نہین ہو جاتا -

میر - گھانس آپکے ابا جان چھیلتے ہونگے، یہان تو شطرنج کھیلتے پیڑھیان اور پشتین گذر گئین -

مرزا - اجی جائیے، نواب غازی الدین کے یہان باورچی گری کرتے کرتے عمر گذر گئی - اس طفیل مین جاگیر پا گئے، آج رئیس بننے کا شوق چرایا ہے، رئیس بننا دل لگی نہین ہے -

میر - کیون اپنے بزرگون کے منھ مین کالکھ لگا رہے ہو - وہی باورچی رہے ہونگے ہمارے بزرگ تو نواب کے دسترخوان پر بیٹھتے تھے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے -

مرزا - بیحیا اون کو شرم بھی نہین آتی،

میر - زبان سنبھالیے ورنہ برا ہوگا - یہان ایسی باتین سننے کے عادی نہین ہین، کسی نے آنکھ دکھائی اور ہمنے دیا تلا ہوا ہاتھ - بھنڈار کھلگیا ہے،

مرزا - آپ ہمارے حوصلے دیکھین گے تو سنبھل جائیے - تقدیر آزمائی ہو جائے ادھر یا اودھر -

میر - ہان ہان آجاؤ تمہے دبتا کون ہے -

دونون دوستون نے کمر سے تلوارین نکال لین - اونے واعلے سبھی کٹار خنجر

پیش قبض شیر بچہ باندھتے تھے، دونون عیش کے بندے تھے مگر بے غیرت نہ تھے۔ قومی دلیری ان مین عنقا تھی مگر ذاتی دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے سیاسی جذبات فنا ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے لیے سلطنت کے لیے قوم کے لیے کیون مرین ہم کیون اپنی میٹھی نیند مین خلل ڈالین مگر انفرادی جذبات مین مطلق خوف نہ تھا بلکہ وہ قوی تر ہو گئے تھے۔ دونون نے پیترے بدلے لکڑی اور گتکہ کھیلے ہوئے تھے تلوارین چمکین۔ جھپا جھپ کی آواز آئی، اور دونون زخم کھا کر گر پڑے، دونون نے وہین تڑپ تڑپ کر جان دیدی، اپنے بادشاہ کے لیے جن کی آنکھون سے ایک بوند آنسو کی نہ گری۔ انھین دونون آدمیون نے شطرنج کے وزیر کے لیے اپنی گردنین کٹا دین۔

اندھیرا ہو گیا تھا بازی بچھی ہوئی تھی دونون بادشاہ اپنے اپنے تخت پر رونق افروز تھے ان پر حسرت چھائی ہوئی تھی۔ گویا مقتولین کی موت کا ماتم کر رہے ہین۔

چارون طرف سناٹے کا عالم تھا۔ کھنڈر کی بوسیدہ دیوارین اور خستہ حال کنگرے اور سربسجود مینار ان لاشون کو دیکھتے تھے اور انسانی زندگی کی بے ثباتی پر افسوس کرتے تھے جسمین سنگ و خشت کا ثبات بھی نہین۔

پریم چند

جذبات صفی

جوانی یاد کر کے آنکھ مین آنسو بھر آتے ہین
طلوع صبح پیری ہے ستارے جھلملاتے ہین

نگار شوخ اے عہد جوانی بے وفا ظالم
ذرا تو بھی تو سن تیرا ہی افسانہ سناتے ہین

مری اختر شماری پر ستارون کو یہ کیا سوجھی
کبھی آنکھین چراتے ہین کبھی آنکھین دکھاتے ہین

نہ دانہ خاک مین ملتا نہ پاتا اوج سرسبزی
ابھرتے ہین وہی اکثر جو اپنے کو مٹاتے ہین

نہ پوچھ اے ہمنشین مجھ سے مرے آثار ہستی کو
بہت کچھ مٹ چکے باقی ہین جو کچھ مٹتے جاتے ہین

مری حسرت بھری نظرین کہان تک جائز و رنگی
دم آخر صفی ارمان دل یاد آتے جاتے ہین